بسم اللہ الرحمن الرحیم

عقیدہ نبوت

و

ختم نبوت

مصنف۔ علامہ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ

طالب دعا۔ زوہیب حسن عطاری

نبوت

اسلامی عقائد میں عقیدۂ رسالت نہایت اہمیت کا حامل ہے، حتیٰ کہ کوئی شخص رسول کو مانے بغیر خدا کو مان لے تو اس کا یہ ایمان مقبول نہیں ہے۔ اگر مقام رسالت کی ادنیٰ بے ادبی ہو جائے تو عمر بھر کی کمائی ہوئی نیکیاں اکارت ہو جاتی ہیں اور اگر کوئی شخص کمالات رسالت کو بڑھا کر الوہیت کی سطح پر لے آئے تو وہ ورطۂ شرک میں گر جاتا ہے، الحاد اور دہریت نے یہ شبہات پیدا کر دیئے کہ نبی کی کیا ضرورت ہے؟ وصال خدا تو اس کے بغیر بھی ہو سکتا ہے، بعض لوگوں نے کہہ دیا کہ رسول کی حیثیت ایک مرکز ملت اور سربراہ مملکت سے زیادہ نہیں ہے۔ اس لئے اس کے اقوال اور افعال قیامت تک باقی رہنے والے قوانین کی اساس نہیں ہو سکتے۔ بعض لوگوں نے یہ کہا کہ رسول ہماری طرح ایک عام انسان تھے، فرق صرف یہ ہے کہ ان پر وحی آتی تھی۔ اس لئے ضروری معلوم ہوا کہ نبوت سے متعلق تمام اہم حقائق دلائل کے ساتھ مختصراً پیش کر دیئے جائیں تاکہ ایک عام انسان کو مقام رسول سے آگہی میں کوئی دشواری نہ ہو۔

ضرورت نبوت

انسان حواس و خرد کا مالک ہے۔ نظر و فکر کی استعداد رکھتا ہے، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور اس کے احکام کی معرفت میں قدم قدم پر رسول کا محتاج ہے، فلاح آخرت تو دور کی بات ہے دنیا میں بھی صالح حیات کا کوئی لمحہ اعانت وحی کے بغیر میسر نہیں ہو سکتا۔ علماء اسلام نے ضرورت نبوت پر متعدد دلائل فراہم کئے ہیں۔ بعض از اں یہ ہیں:

(۱) واقعات عالم اس حقیقت پر شاہد ہیں کہ جن لوگوں نے نبی اور رسول کے بغیر خالق کو تلاش کیا وہ مظاہر پرستی کا شکار ہو گئے۔ کسی نے آگ کی پوجا کی اور کسی نے گاؤ ماتا کی، کوئی بت پرستی کا شکار ہوا اور کوئی کواکب پرستی کا۔ لہٰذا تاریخ اور تجربے سے یہ ثابت ہے کہ نبی اور رسول کے بغیر انسان خدا پرستی کا صحیح تصور نہیں پا سکتا۔

(۲) اللہ تعالیٰ کی ذات مبداء فیاض ہے اور انسان اکتساب فیض کرنے والا ہے اور افادہ و استفادہ کے لئے ضروری ہے کہ مفید اور مستفید کے درمیان کوئی نہ کوئی مناسبت ہو۔ جب کہ واجب اور ممکن اور قدیم اور حادث کے مابین کسی قسم کی کوئی مناسبت نہ تھی تو افاضہ اور استفاضہ کیسے ہوسکتا تھا؟ فیض دینے والا خالق قادر اور لینے والا مخلوق و عاجز تھا تو اس کی رحمت نے چاہا کہ ایک ایسی مخلوق پیدا کرے جو عام بندوں اور خدا کے درمیان برزخ کی شان رکھتی ہو۔ جس کی ایک صفت اللہ سے واصل اور دوسری بندوں میں شامل ہو۔ تاکہ وہ پہلی حیثیت سے خدا سے فیض لے اور دوسری حیثیت سے بندوں کو فیض دے اور اس مخلوق کا نام اس نے نبی اور رسول رکھا۔

(۳) جس طرح اللہ تعالیٰ نے خارج اور ظاہر کے ادراک کے لئے حواس کو پیدا کیا اور معانی اور بواطن کے ادراک کے لئے عقل کو پیدا کیا اسی طرح غیب کے ادراک کے لئے اللہ تعالیٰ نے نبوت کو پیدا فرمایا اور جس طرح صورت کا بغیر حواس کے اور معنی کا بغیر عقل کے انسان کی سمجھ میں آنا محال ہے اسی طرح غیب کا ادراک بغیر نبوت کے ناممکن ہے۔ حشر و نشر، جنت و دوزخ، حساب و کتاب اور دوسرے امور جن کا تعلق غیب سے ہے اور خود اللہ تعالیٰ کی ذات جو غیب الغیب ہے ان میں سے کسی چیز کو بھی ہم نبی کی وساطت کے بغیر نہیں جان سکتے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ہماری اس ضرورت کے سبب نبی اور رسول کو پیدا فرمایا۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے آنکھ کو دیکھنے کے لئے پیدا فرمایا ہے، لیکن یہ آنکھ اس وقت تک کسی چیز کو نہیں دیکھ سکتی جب تک کہ خارجی نور اس کا معاون نہ ہو۔ اسی طرح عقل کو اللہ تعالیٰ نے معرفت ذات کے لئے پیدا فرمایا ہے۔ لیکن عقل اس وقت تک ذات الٰہی کی معرفت نہیں پاسکتی جب تک کہ آفتاب نبوت اس کا معاون نہ ہو۔

(۵) بسا اوقات حواس غلطی کر جاتے ہیں۔ مثلاً متحرک سواری میں بیٹھے شخص کو درخت دوڑتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ حواس کی ایسی غلطیوں کی اصلاح کے لئے اللہ تعالیٰ نے عقل کو پیدا فرمایا۔ لیکن بعض اوقات عقل بھی مغالطہ کھا جاتی ہے۔ لہٰذا ضروری تھا

کہ عقل کی اصلاح کے لئے بھی کسی ہادی کو پیدا کیا جاتا اور جو حقیقت عقل کی اصلاح کرنے والی ہے، وہی نبوت ہے۔

(۶) انسان طبعی طور پر شہوت اور غضب سے مغلوب ہوتا ہے اور عام طور پر دنیا میں منہمک اور آخرت سے غافل ہوتا ہے۔ اس لئے ضروری تھا کہ کوئی شخص اپنی تعلیم سے اس میں دنیا سے بے رغبتی اور فکر آخرت پیدا کرے۔ عذاب کی وعید سے خوف خدا اور ثواب کی ترغیب سے شوق وصال پیدا کرے۔ اس ضرورت کی تکمیل کی خاطر اللہ تعالیٰ نے نبی کو پیدا فرمایا۔

(۷) انسان مصنوعات کی رہنمائی سے عقل کے ذریعے اگر صانع کا عرفان حاصل بھی کر لے تب بھی اس کے احکام کی تفصیلات کو عقل محض سے نہیں جان سکتا اور تفصیل احکام میں وہ نبی کا محتاج ہے تو اپنے احکام کی تفصیل بیان کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے نبی کو پیدا فرمایا۔

(۸) اگر اللہ تعالیٰ فقط کتاب نازل کر دیتا اور نبی پیدا نہ کرتا تو عرفان ذات کے لئے یہ بھی ناکافی تھا کیونکہ کتاب فقط احکام کا علم دیتی ہے، اس کی تشریح نہیں کرتی۔ نبی کے بغیر عقل انسانی ٹھوکریں کھاتی پھرتی۔ پس اللہ نے نبی بھیج کر عقل انسانی پر کرم فرمایا کہ وہ احکام کی تشریح نبوت کی زبان سے پا سکے۔

(۹) اگر ہمارے سامنے صرف احکام ہوتے تو ممکن تھا کہ کوئی شخص یہ کہہ دیتا کہ یہ احکام انسان کے لئے قابل عمل نہیں۔ اس لئے نبی ان احکام پر عمل کر کے ہمیں یہ بتاتا ہے کہ یہ احکام دشوار نہیں، قابل عمل ہیں۔ وجود نبوت کے بغیر ان احکام کے لائق عمل ہونے کی کوئی سند نہیں ہے۔

(۱۰) کتاب سے فقط احکام کا علم حاصل ہوتا ہے، ان پر عمل کرنے کا طریقہ اور نمونہ صرف نبی کی ذات سے ملتا ہے۔ نبی صرف حامل کتاب نہیں ہوتا، مجسم کتاب ہوتا ہے۔ اس کی سیرت اور کردار عبارت کتاب کی اور عبارت کتاب اس کی سیرت اور کردار کی تعبیر ہوتی ہے۔

حقیقت نبوت

اصطلاح شرع میں ''نبی'' اس انسان کو کہتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام کی تبلیغ کے لئے مخلوق کے پاس بھیجا ہو اور اس کی تائید معجزہ سے فرمائی ہو۔ ہر نبی کے لئے معجزہ ضروری ہے۔ اولاً تو اس لئے کہ نبوت صادقہ اور کاذبہ کے درمیان فارق صرف معجزہ ہے، اللہ تعالیٰ جھوٹے نبی کے صدق پر کوئی خارق عادت ظاہر نہیں فرماتا۔ اب اگر سچے نبی کے صدق پر بھی کوئی امر خارق ظاہر نہ کیا جائے تو سچے اور جھوٹے نبی کے درمیان امتیاز نہ ہو سکے گا اور یہ مقصد بعثت کے منافی ہے۔ ثانیاً اس لئے کہ ''بخاری شریف'' میں ہے کہ انبیاء میں سے کوئی نبی نہ تھا، مگر اسے ایسی نشانیاں دی گئیں جو ایک بشر کے ایمان لانے کے لئے کافی تھیں۔

علماء اصول نے نبی اور رسول میں فرق کیا ہے، نبی اس انسان کو کہتے ہیں جس پر وحی اترے عام از یں کہ وہ صاحب کتاب ہو یا نہ ہو اور رسول وہ شخص ہے جو کتاب اور وحی دونوں کا حامل ہو۔ اس جگہ ایک شبہ ہوتا ہے کہ فرشتہ نبی کے پاس جب وحی لے کر آتا ہے تو نبی کو کیسے یقین ہوتا ہے کہ یہ فرشتہ ہے، شیطان نہیں ہے؟ امام رازی نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ جس طرح نبی اپنے صدق کے اظہار کے لئے امت کے سامنے معجزہ پیش کرتا ہے، اسی طرح جب فرشتہ نبی کے پاس وحی لے کر آتا ہے تو وہ بھی اپنے صدق کو ظاہر کرنے کے لئے نبی کے سامنے معجزہ لاتا ہے اور حق یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک وصف دیا ہے جس کی وجہ سے ہم انسان اور حیوان کے درمیان امتیاز کر لیتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ نے نبی کو اس وصف کے ساتھ ایک اور وصف بھی دیا ہے جس سے اس کے نزدیک ملائکہ اور شیاطین میں امتیاز ہو جاتا ہے (1)۔ ہم چونکہ صرف حواس اور عقل سے ادراک کرتے ہیں۔ اس سے ہم پر صرف وہی امور منکشف اور متمیز ہوتے ہیں جو حواس اور عقل کے دائرہ میں ہیں اور نبی حواس کے علاوہ ایک اور صفت سے بھی ادراک کرتا ہے جس سے اس پر امور غیبیہ منکشف ہوتے ہیں۔ اس لئے فرشتہ کی لائی ہوئی وحی اس کے نزدیک ہر قسم کے شک و

1۔ امام غزالی فرماتے ہیں: ان له صفة بها يبصر الملائكة ويشاهدهم كما ان للبصير صفة بها يفارق الاعمى حتى يدرك بها المبصرات۔ (احیاء العلوم ج ۵ ص ۱۵۰)

شبہ سے بالاتر اور آفتاب سے زیادہ صاف اور یقینی ہوتی ہے۔

انبیاء علیہم السلام پر نزول وحی کی کتنی صورتیں ہیں، اس کا کسی عدد متعین میں احصاء تو نہیں کیا جا سکتا، البتہ علماء کرام نے تتبع اور تلاش سے جس قدر صورتوں کو معلوم کیا ہے وہ یہ ہیں:

(۱) خواب کے ذریعے کوئی حکم دیا جائے، جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں دکھایا کہ وہ اپنے فرزند کو ذبح کر رہے ہیں۔

(۲) گھنٹی کی آواز کی طرح وحی محسوس ہو۔

(۳) نبی کے دل میں کوئی بات القاء کی جائے۔

(۴) جبرائیل نبی سے کسی معروف انسان کی شکل میں آ کر کلام کرے جیسا کہ جبرائیل نے دحیہ کلبی کی شکل میں آ کر حضور سے گفتگو کی۔

(۵) جبرائیل کسی غیر معروف انسان کی شکل میں آ کر کلام کرے جیسے جبرائیل نے اعرابی کی شکل میں آ کر حضور سے گفتگو کی۔

(۶) جبرائیل اپنی اصل شکل میں آ کر ہم کلام ہو، جیسے حضور سے جبرائیل نے اصلی شکل میں آ کر باتیں کیں۔

(۷) اللہ تعالیٰ پردہ کی اوٹ سے کلام کرے، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ ہم کلام ہوا۔

(۸) اللہ تعالیٰ نبی سے بیداری میں بے پردہ کلام کرے، جیسے حضور سے شب معراج میں کلام فرمایا۔

(۹) اللہ تعالیٰ رسول سے اس کی نیند میں کلام فرمائے، جیسے معراج منامی کے واقعات ہیں۔

(۱۰) اسرافیل کے ذریعے وحی کی جائے، جیسے بعثت سے پہلے اسرافیل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہتا تھا۔ (بروایت شعبی)

(۱۱) نیند میں نبی فرشتوں کا کلام سنے اور ایسے متعدد واقعات ہیں۔

اعجاز نبوت

معجزہ نبی کے اختیار میں ہوتا ہے یا نہیں، اس میں بعض متاخرین نے اختلاف کیا ہے اور بعض مبتدعین نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ جس طرح لکھتے وقت کاتب کے ہاتھ میں قلم بے بس اور بے اختیار ہوتا ہے، اسی طرح اظہار معجزہ کے وقت نبی بھی بے اختیار اور بے بس ہوتا ہے اور حق یہ ہے کہ معجزے کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جو نبی کا فعل ہو جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لعاب دہن لگا کر حضرت ابوقتادہ کی نکلی ہوئی آنکھ کو لگا دینا یا سلمہ بن اکوع کی ٹوٹی ہوئی پنڈلی کو جوڑ دینا، معجزہ کی یہ قسم نبی کے اختیار میں ہوتی ہے۔ دوسری قسم وہ ہے جو نبی کا فعل نہ ہو لیکن اس کا کسی وجہ سے نبی کے ساتھ تعلق ہو۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کلام الٰہی کا نزول یا پتھر کا حضرت موسیٰ کے کپڑے لے بھاگنا، یہ معجزے ہیں لیکن ان کے اظہار میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اختیار کا دخل نہ تھا۔

جو معجزہ نبی کا فعل ہوتا ہے، اس کا اختیاری ہونا ایسا ہی ہے جس طرح ہمارے افعال ہمارے اختیار میں ہوتے ہیں کہ ان افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہوتا ہے اور کاسب ہم ہیں۔ اس طرح جو معجزات انبیاء علیہم السلام کے افعال ہیں، ان کا خالق اللہ ہے اور اس کے کاسب انبیاء علیہم السلام ہیں۔

امام غزالی فرماتے ہیں کہ جس طرح ہماری ایک صفت ہے جس سے ہمیں حرکات اختیاریہ پر قدرت ہوتی ہے۔ اسی طرح انبیاء کی ایک صفت ہوتی ہے جس کے سبب معجزات ان کے اختیار میں ہوتے ہیں (1)۔ اور میر سید شریف جرجانی فرماتے ہیں کہ صحیح ترین بات یہی ہے کہ معجزہ انبیاء کا مقدور ہوتا ہے (2)۔

منصب نبوت

نبی کو اللہ تعالیٰ دنیا میں اپنا نائب اور خلیفہ بنا کر بھیجتا ہے، چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد

1۔ ان له صفة بها تتم له الافعال الخارقة للعادات كما ان لنا صفة بها تتم الحركات المقرونة بارادتنا و اختيارنا و هي القدرة۔ (احیاء العلوم ج ۴ ص ۱۹۰)

2۔ ان نفس هذا الحركة معجزة من جهة كونها خارقة للعادة و مخلوقة و ان كانت مقدورة للنبي الله تعالى وهو الاصح۔ (شرح مواقف ص ۲۲۶)

ہے: وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً (البقرہ: ۳۰) ''جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا: میں زمین میں اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں''۔ لہٰذا نبی زمین پر خدا کا نائب مطلق اور خلیفہ علی الاطلاق بن کر آتا ہے۔ نبی کا قول اللہ کا قول، نبی کا فعل اللہ کا فعل اور نبی کی مرضی اللہ کی مرضی ہوتی ہے۔ اسی لئے فرمایا: مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (النساء: ۸۰) ''جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کر لی''۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ (الفتح: ۱۰) ''جس نے رسول سے بیعت کی اس نے اللہ سے بیعت کر لی''۔ اسی وجہ سے ابن تیمیہ نے کہا: و قد اقامه الله مقام نفسه فی امره و نهيه و اخباره و بیانه۔ (الصارم المسلول ص ۴۱) ''اللہ تعالیٰ نے نبی کو امر و نہی اور خبر و بیان میں اپنا قائم مقام بنا کر بھیجا ہے''۔

نبی قوانین کا واضع اور احکام کا شارع ہوتا ہے۔ اس کا امر خدا کا امر اور اس کی نہی خدا کی نہی ہوتی ہے۔ نبی کے حکم دینے کے بعد امت کے لئے عمل کرنے یا نہ کرنے کا اختیار نہیں رہتا۔ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ (الاحزاب: ۳۶)

اور نبی کے فیصلہ کے بعد اس سے اختلاف تو کجا اس کو ناگوار سمجھنے سے بھی انسان مسلمان نہیں رہتا۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۶۵﴾ (النساء: ۶۵)

''آپ کے رب کی قسم! کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے جھگڑوں میں آپ کا فیصلہ نہ مان لیں اور آپ کے کیے ہوئے فیصلے سے وہ اپنے دلوں میں کوئی تنگی بھی نہ پائیں اور اس کو بخوشی تسلیم کرلیں''۔

حیرت ہوتی ہے ان لوگوں پر جو ان صریح احکام کے باوجود منصب نبوت کو مرکز ملت کے مساوی قرار دیتے ہیں، سوال یہ ہے کہ کیا مرکز ملت یا سربراہ مملکت سے نفاق رکھنے کے

سبب کوئی شخص کافر ہو جاتا ہے۔ جب کہ نبی سے نفاق رکھنے کی وجہ سے تو کوئی شخص مسلمان نہیں رہتا(1)۔ کیا مرکز ملت کے فیصلے کو ناگوار سمجھنے سے آدمی دین سے نکل جاتا ہے۔ حالانکہ نبی کا فیصلہ جس کو پسند نہ ہو وہ کافر ہو جاتا ہے(2)۔ مرکز ملت کو یہ اختیار نہیں ہوتا کہ جس چیز کو چاہے حلال کرے اور جس کو چاہے حرام کر دے۔ اس کے برخلاف نبی کو حلال اور حرام کرنے کا اختیار ہوتا ہے(3)۔ مرکز ملت کے اقوال وافعال حجت شرعیہ نہیں ہوتے۔ اس کے برعکس نبی کا ہر قول اور ہر فعل حجت شرعی ہے۔ نبی کا ہر وقت وحی سے رابطہ قائم رہتا ہے اس لئے اس کی ہر بات مستند ہوتی ہے اور مرکز ملت کی اپنی استقامت پر بھی کوئی سند نہیں ہوتی(4)۔

انکار حدیث کی بنیاد اس امر پر ہے کہ نبی کی حیثیت مرکز ملت کے مساوی ہے، جس طرح ایک سربراہ مملکت کے احکام اس کے دور حکومت میں نافذ ہوتے ہیں، قیامت تک لاگو نہیں ہوتے، اسی طرح نبی کی احادیث بھی اپنے وقت میں حجت تھیں، قیامت تک کے لئے سند نہیں ہیں اور اب جب یہ ظاہر ہو گیا کہ نبی کو مرکز ملت پر قیاس کرنا قطعاً باطل اور فاسد ہے تو احادیث نبویہ کا حجت ہونا بھی بے غبار ہو گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ نبی اللہ کی کتاب کا معلم اور شارح بن کر آتا ہے۔ نبی کی تعلیم سے آیات کے معانی متعین ہوتے ہیں اور احادیث رسول سے صرف نظر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی کتاب کا کوئی مفہوم باقی نہیں رہتا۔ الغرض نبی کتاب کا شارح، ایمان کا منبع اور اللہ کا نائب ہوتا ہے اور مرکز ملت اس میں سے کچھ بھی نہیں ہوتا۔

علوم نبوت

نبی اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا عارف اور کتاب کے احکام واسرار کا عالم ہوتا ہے،

1۔ اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَ اللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝ (المنافقون:۱)

2۔ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَ یُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ۝ (النساء:۶۵)

3۔ یُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَ یُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ (الاعراف:۱۵۷)

4۔ مَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۗ وَ مَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (الحشر:۷)

افرادِ امت کے ایمان اور نفاق اور حسنات و سیئات سے واقف ہوتا ہے۔ شہادت اور غیب پر یکساں نظر رکھتا ہے۔ امام غزالی حقیقت نبوت کے بیان میں فرماتے ہیں: عقل سے آگے ادراک کی ایک اور آنکھ کھلتی ہے۔ اس آنکھ سے نبی غیب کے آئندہ ہونے والے واقعات کو اور دوسرے ان حقائق کو دیکھ لیتا ہے جن تک عقل کی رسائی نہیں ہوئی (1)۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں: غیب کی دو قسمیں ہیں، غیب اضافی اور غیب مطلق، غیب اضافی وہ ہے جو سب کے لئے غیب نہ ہو، بعض سے غائب اور بعض پر ظاہر ہو، جس طرح صورت اور رنگ غیب ہیں، لیکن اندھے کے لئے، بینا کے لئے نہیں۔ اسی طرح جن اور ملائکہ، جنت اور دوزخ غائب ہیں۔ لیکن انسانوں کے لئے، فرشتوں کے لئے نہیں اور بھوک اور پیاس، شہوت و غضب فرشتوں کے لئے غیب ہیں، انسانوں کے لئے نہیں۔ پس یہ تمام صورتیں غیب اضافی کی ہیں اور جو چیز تمام مخلوقات کی نظر سے غیب ہو، وہ غیب مطلق ہے اور اس غیب پر اللہ صرف اپنے نبی اور رسول کو مطلع کرتا ہے۔

شاہ عبدالعزیز کی اس تقریر سے معلوم ہوا کہ غیب کا علم یوں تو عام انسانوں کو بھی ہوتا ہے اور فرشتوں کو بھی۔ لیکن جو غیب نبی کے ساتھ مختص ہے وہ سب سے خاص اور منفرد غیب ہے وہی اس آیت کریمہ کا منشاء ہے: عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ (الجن) "اللہ غیب کا جاننے والا ہے، وہ اپنے غیب خاص پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا، سوا ان لوگوں کے جن پر اللہ راضی ہے اور وہ اللہ کے رسول ہیں"۔

اللہ تعالیٰ نے شیطان کو جو علم دیا ہے اس کا ذکر یوں فرماتا ہے: اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ (الاعراف:۲۷) شیطان اور اس کی ذریات روئے زمین کے تمام بنی آدم کو دیکھتی ہیں۔ پس ضروری ہوا کہ نبی کا علم شیطان سے زیادہ ہو۔ ورنہ شیطان علم کے اعتبار سے نبی پر غالب ہوگا اور یہ سراسر باطل ہے۔ اولاً اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ (المجادلہ:۲۱) "میں اور میرے رسول غالب ہیں" ثانیاً اس لئے کہ

1۔ دوراء العقل طور آخر تنفتح فیه عین اخری یبصر بالغیب وما سیکون فی المستقبل امور اخر العقل معزول عنها۔ (المنقذ من الضلال ص ۵۴)

جب شیطان نبی پر غالب ہوا تو جس طرح وہ دوسروں کو گمراہ کرنے پر قادر ہے اسی طرح نبی کو گمراہ کرنے پر قادر ہوگا۔ حالانکہ شیطان نے خدا کے سامنے خود اعتراف کیا کہ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۙ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ (ص) "اے رب! تیری عزت وجلال کی قسم! میں سب لوگوں کو گمراہ کردوں گا، ماسوا تیرے مخلص بندوں کے" پس ضروری ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ نے شیطان کو تمام روئے زمین کے بنی آدم کا علم عطا فرمایا ہے تو انبیاء علیہم السلام کو اس سے زیادہ علم عطا فرمائے۔ حیرت ہوتی ہے کہ ان لوگوں پر جو شیطان کے لئے روئے زمین کا علم مانتے ہیں اور نبی کے لئے پس دیوار کا علم بھی تسلیم نہیں کرتے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَ كَذٰلِكَ نُرِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ (الانعام: ۷۵)
"ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو تمام آسمانوں اور زمینوں کی نشانیاں دکھلائیں"۔

امام رازی اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں: تحت الثریٰ سے عرش عظیم تک کوئی حقیقت نہیں تھی مگر اللہ تعالیٰ نے اسے حضرت ابراہیم کو دکھلا دیا۔ (تفسیر کبیر ج ۴ ص ۷۳) اس سے ظاہر ہو گیا کہ شیطان کا علم علوم نبوت کی عظمتوں کے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ اگر شیطان روئے زمین کے بنی آدم کو دیکھتا ہے تو نبی کی نظر میں فرش سے عرش تک کوئی چیز بھی مخفی نہیں ہوتی اور شیطان تو کجا فرشتوں کا علم بھی نبی سے بڑھ کر نہیں ہوتا۔

امام غزالی فرماتے ہیں: مخلوقات میں آخری مرتبہ نبی کا ہوتا ہے جس پر تمام حقائق منکشف ہوتے ہیں۔ (اقصى الرتب رتبا النبى تنكشف له كل الحقائق، احیاء العلوم: ج ۳ ص ۸) اور ایک جگہ لکھتے ہیں: نبی کی ایک صفت ہے جس سے وہ نیند یا بیداری میں آئندہ ہونے والے واقعات کو غیب سے جان لیتا ہے اور اس صفت سے وہ لوح محفوظ کا مطالعہ کرتا ہے اور غیب کے امور کو دیکھ لیتا ہے۔ (احیاء العلوم: ج ۴ ص ۱۹۰)

ان له صفة بها يدرك ما سيكون فى الغيب اما فى اليقظة او فى المنام اذبها يطالع اللوح المحفوظ فيرى ما فيه من الغيب۔

لوح محفوظ کے علوم کا احاطہ کر لینا، غیب مطلق کو جان لینا اور کتاب کے احکام واسرار کا عالم ہونا اگرچہ یہ بھی علوم نبوت کی عظیم اقسام ہیں۔ لیکن نبوت کا اصل کمال اللہ تعالیٰ کی

صفات کا عرفان ہے۔ انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ کی صفات کا عرفان ہے، انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کے ثمرات کے عارف ہوتے ہیں اور دنیا میں ہونے والے ہر واقعہ اور حادثہ کا ربط اللہ تعالیٰ کی صفات سے جوڑ لیتے ہیں۔ انہیں پتہ ہوتا ہے فلاں واقعہ فلاں صفت کا ثمرہ ہے۔ وہ صفات شناسائے ربوبیت ہوتے ہیں اور آنے والے حوادث کا رخ پہچان لیتے ہیں۔

استصواب

بعض لوگ پوچھتے ہیں کہ اگر انبیاء علیہم السلام کے علوم میں ایسا ہی عموم اور شمول ہوتا ہے تو علم کے باوجود حضرت آدم نے شجر ممنوع سے کیوں کھایا؟ جب حضرت یعقوب کو علم تھا کہ حضرت یوسف کنویں میں سلامت ہیں تو ان کے غم میں کیوں روتے رہے؟ جب حضور کو علم تھا کہ کفار کی دعوت پر ستر قاریوں کو بھیجنا بالآخر کفار کے ہاتھوں ان کی شہادت کا سبب ہوگا تو آپ نے انہیں کیوں بھیجا؟ جواباً گزارش ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کا علم ایسا ہرگز نہیں ہوتا کہ اس پر غفلت یا نسیان نہ آسکے۔ ثانیاً عرض یہ ہے کہ ان مثالوں سے علم کی نفی ہرگز نہیں ہوتی۔ حضرت آدم کو یقیناً علم تھا کہ شجر ممنوع سے کھانا سبب مواخذہ ہے۔ لیکن انہوں نے بھول کر کھالیا اور حضرت یعقوب کو قطعاً معلوم تھا کہ حضرت یوسف سلامت ہیں اور ان سے ملاقات ہوگی۔ کیونکہ ان کے خواب کی تعبیر پوری ہونی تھی مگر غلبۂ محبت کے باوجود وہ خود فراموشی کے عالم میں تھے اور فراق یوسف کے صدمے سے روتے رہتے تھے اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا کفار کی خباثتوں کے علم کے باوجود صحابہ کرام کو بھیجنا متعدد حکمتوں کے سبب تھا۔ ایک یہ کہ حضور یہ تعلیم دینا چاہتے تھے کہ قتل کے خوف سے تبلیغ دین نہیں چھوڑنی چاہئے۔ دوسری یہ کہ حضور نے علم کے باوجود قضا و قدر کی موافقت کے لئے صحابہ کو بھیجا۔ تیسری حکمت یہ ہے کہ اگر حضور کفار کی دعوت پر قاریوں کو نہ بھیجتے تو کل حشر کے دن کفار اللہ کے سامنے حضور کے خلاف استغاثہ کرتے کہ ہم نے طلب ہدایت کے لئے مبلغ مانگے تھے تیرے نبی نے ان کو نہیں بھیجا۔ چوتھی حکمت یہ ہے کہ حضور نے باوجود علم کے صحابہ کو بھیج کر ان کے لئے شہادت کی سعادت کا موقع فراہم کیا، جس کے لئے وہ ترستے رہتے تھے، اس

سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ قاریوں کے بھیجنے پر اعتراض اس شخص کے ذہن میں ہو گا جس کا مطمع نظر دنیا کے سوا کچھ نہ ہو۔ ورنہ سچے مسلمان کے لئے شہادت سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں اور خوف شہادت سے تبلیغ کو چھوڑ دینا نہ مردانگی ہے نہ مسلمانی۔

جن جزوی واقعات سے منکرین کمالات نبوت، انبیاء علیہم السلام کے علوم کی نفی کرتے ہیں ان سب کا یہی حال ہوتا ہے یا وہاں نفس علم کے باوجود بعض حکمتوں کو پورا کرنے کے لئے مثلاً تعلیم دین اور تکمیل شریعت کی خاطر اللہ تعالیٰ بعض چیزوں سے نبی کی توجہ ہٹا دیتا ہے اور ایسا علم جس پر کسی حال میں غفلت اور نسیان نہ آ سکے، صرف اللہ تعالیٰ کے علم لازوال ہی میں ممکن ہے۔

عصمت نبوت

نبی کا ایک مرکزی وصف عصمت ہے، اسی وصف کی اساس پر شریعت تعمیر ہوتی ہے اور اگر نبوت کی حقیقت سے عصمت کو الگ کر دیا جائے تو اس کے لائے ہوئے دین کا کوئی مفہوم باقی نہیں رہتا۔ میر سید شریف جرجانی نے "شرح مواقف" اور سعد الدین تفتازانی نے "شرح مقاصد" میں عصمت کی جو تعریف کی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ گناہوں کے تمام مفاسد اور نیکیوں کے تمام فوائد پر نظر رکھنے کی وجہ سے نبی کو ایک ایسا ملکہ فاضلہ اور وصف راسخ حاصل ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ معصیت پر قدرت کے باوجود اس سے بچا رہتا ہے اور جوں جوں ان کے سینہ پر وحی الٰہی کی بارش ہوتی ہے اور اللہ سے ان کا رابطہ قوی ہوتا ہے، اس وصف کا رسوخ بڑھتا چلا جاتا ہے۔

عقلی اور نقلی دلائل سے علماء اسلام نے عصمت انبیاء کے ثبوت پر متعدد دلائل فراہم کئے ہیں۔ بعض از اں یہ ہیں:

(۱) نبی کے تمام افعال و اقوال دلیل شرعی ہوتے ہیں۔ اگر اس کے اقوال و افعال میں معصیت آ جائے تو ان سے اعتماد اٹھ جاتا ہے۔

(۲) نبی کے صدق پر معجزہ دلیل ہوتا ہے، اگر نبی جھوٹ بولے تو معجزہ سے اعتماد ساقط ہو جائے گا۔

(۳) اگر نبی فاسق ہو تو اس کی پیروی حرام ہوگی، حالانکہ امت پر نبی کی پیروی واجب ہے۔

(۴) اللہ کو غصہ میں لانے والی چیز یہ ہے کہ انسان وہ بات کہے جسے خود نہ کرتا ہو(1)۔ اب اگر نبی کا اپنا دامن شر سے آلودہ ہو اور وہ لوگوں کو خیر کی تلقین کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کے شدید غضب کا مستحق ہوگا، حالانکہ اللہ نبی سے زیادہ کسی پر راضی نہیں ہوتا۔ مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ (الجن: ۲۷) ''جن پر اللہ راضی ہے وہ اس کے رسول ہیں''۔

(۵) اگر انبیاء میں فسق ہوتا تو ان کی گواہی مقبول نہ ہوتی۔ حالانکہ ان کی گواہی کا قبول کرنا واجب ہے کیونکہ وہ اللہ کی ذات پر گواہ ہوتے ہیں۔

(۶) قرآن حکیم میں انبیاء کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۵﴾ (الانعام) ''یہ سب نیک ہیں''۔

(۷) ایک اور جگہ فرماتا ہے: اِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ﴿۴۷﴾ (ص) ''یہ ہمارے نزدیک اخیار اور پسندیدہ ہیں''۔

(۸) شیطان نے بھی خدا کے سامنے اعتراف کیا کہ انبیاء کو گمراہ نہ کر سکے گا۔ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۲﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۸۳﴾ (ص)

(۹) انبیاء فرشتوں سے برتر ہیں اور جب فرشتے معصوم ہیں تو انبیاء کی عصمت بدرجہ اتم ثابت ہوتی ہے۔

(۱۰) العیاذ باللہ اگر انبیاء گناہ گار ہوتے تو مستحق عذاب ہوتے۔ حالانکہ انبیاء نہ صرف یہ کہ خود عذاب سے بری ہوں گے بلکہ ان کی شفاعت سے ہم جیسے لاکھوں گناہ گار نجات پائیں گے۔

بعثت سے قبل اور بعد نبی سے کوئی گناہ صادر نہیں ہوتا، نہ کبیرہ نہ صغیرہ، نہ سہواً نہ عمداً، البتہ نسیان اور اجتہادی خطا نبی کے حق میں جائز ہے۔ قرآن حکیم میں جن زلات انبیاء کا ذکر ہے وہ سب اسی قبیل سے ہیں اور انبیاء کا ان پر استغفار کرنا محض ان کی تواضع اور انکسار ہے۔

1۔ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۳﴾ (الصف)

خصائص نبوت

انبیاء علیہم السلام جسمانی اور روحانی کمالات کے اعتبار سے انسانیت کے اعلیٰ ترین افراد ہوتے ہیں۔ امام غزالی فرماتے ہیں: نبی کی حقیقت کو نبی کے سوا کوئی دوسرا نہیں جان سکتا۔ (احیاء العلوم ج ۳ ص ۸) امام رازی حلیمی سے نقل کرتے ہیں کہ انبیاء کی حقیقت عام لوگوں سے مختلف ہوتی ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۴۲۳) ظاہر ہے کہ بشریت کے جس قالب کو اللہ تعالیٰ نے اپنی تجلیات کا مرکز بنانے کے لئے منتخب کر لیا ہو، وہ عام لوگوں کی مثل نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ نبی کی آنکھوں میں ایسی صفت رکھتا ہے جس سے وہ غیب وشہادت دونوں کو دیکھ سکے۔ اس کے دل کو ایسی استعداد عطا کرتا ہے جس سے وہ بار وحی کا متحمل ہو سکے اور اس کی فکر کو وہ جرأت دیتا ہے جس سے وہ صفات الٰہیہ پر کمند پھینک سکے۔

ذیل میں ہم نبی کے حواس خمسہ کی جھلکیاں پیش کرتے ہیں جس سے یہ حقیقت روشن ہو جائے گی کہ نبی عام لوگوں کی مثل نہیں ہوتا۔

باصرہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی آنکھ سے فرش تا عرش حقائق دیکھے۔ حضور نے فرمایا: میں تمہیں سامنے اور پس پشت یکساں دیکھتا ہوں، ایک مرتبہ فرمایا: میں نے زمین کے تمام مشارق و مغارب دیکھ لئے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ نے اپنی آنکھوں سے خدا کو دیکھا۔

سامعہ: نبی وحی کو سنتا ہے، جنات اور فرشتوں کی آواز سنتا ہے، سلیمان علیہ السلام نے مسافت بعیدہ سے چیونٹی کی آواز سن لی اور حضور نے بے پردہ خدا کا کلام سنا۔

شامہ: حضرت یعقوب علیہ السلام نے کوسوں دور سے حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبوان کے کرتے سے سونگھ لی۔

ذائقہ: حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے لقمہ چکھ کر اس میں ملا ہوا زہر معلوم کر لیا۔

لامسہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بدن چھوتے ہی آگ گلزار ہو گئی۔

علامہ ابن حجر عسقلانی نے حلیمی سے نبی کے چھیالیس خواص نقل کیے ہیں۔ ہم ان سے بعض کا ذکر کرتے ہیں۔

(۱) نبی اللہ سے بلا واسطہ کلام کرتا ہے۔

(۲) فرشتوں، جنوں اور غیب کو دیکھ لیتا ہے۔

(۳) حیوانات، نباتات اور جمادات سے ہم کلام ہوتا ہے۔

(۴) ماضی اور مستقبل کے واقعات کو جانتا ہے۔

(۵) اس کی عقل کامل ہوتی ہے اور اس کا کیا ہوا فیصلہ خطاء سے محفوظ ہوتا ہے۔

(۶) نبی دلوں کے حال پر مطلع ہوتا ہے۔(فتح الباری ج۱۶ ص ۲۰)

نبی کے خواص میں سے یہ بھی ہے کہ وہ قوانین کی تقویم اور شریعت کی تشکیل کرتا ہے اور وہ صرف قوانین کا واضع ہی نہیں ہوتا بلکہ ان قوانین کو نافذ کرتا ہے اور ایک ایسا معاشرہ بنا کر جاتا ہے جو اس کے لائے ہوئے دین کی مکمل تعبیر ہوتا ہے۔ اس کی نگاہ سے مزاج بدل جاتے ہیں، فطرتیں پلٹ جاتی ہیں، وہ راہزنوں کو راہبر اور خائنوں کو امانت دار اور بت پرستوں کو بت شکن بنا دیتا ہے۔ شر بھی نبی کے دامن میں آجائے تو خیر بن کر نکلتا ہے، بحر و بر اس کے تابع اور عناصر مسخر ہوتے ہیں۔ دریا اس کے لئے راستہ چھوڑ دیتا ہے اور درخت اس کے حکم سے جڑوں سمیت دوڑے چلے آتے ہیں۔

الوہیت اور نبوت

نبی اپنے تمام کمالات کے باوجود بندہ ہوتا ہے اور ہر قدم پر اللہ کی نصرت اور اس کی رحمت کا محتاج ہوتا ہے۔ نہ نبی کے علم کو اللہ تعالیٰ کے علم سے کوئی نسبت ہوتی ہے، نہ اس کی قدرت کو اللہ کی قدرت سے کوئی علاقہ ہوتا ہے۔ ایک ذرہ کے علم میں بھی اللہ اور اس کے رسول کے علم میں کوئی مماثلت نہیں ہوتی اور ایک رائی کے دانہ پر بھی قدرت میں خدا اور نبی میں کوئی مساوات نہیں ہوتی، نبی کا جو کمال بھی ہوتا ہے وہ خدا کا دیا ہوا مستعار اور جائز الزوال ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا ہر وصف ذاتی، قدیم اور لازوال ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کبھی غافل نہیں ہوتا اور نبی کی توجہ بسا اوقات بعض چیزوں سے ہٹ جاتی ہے، خدا اور رسول میں اگرچہ قدوم و حدوث اور اصل و استعارہ کا فرق ہوتا ہے لیکن یہ فرق چونکہ عقلی اور نظری ہے اور عام ذہنی سطح سے بلند ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ انبیاء کو ایسے احوال و عوارض میں مبتلا کرتا

ہے جس سے اس کے کمالات کا حادث اور مستعار ہونا عام لوگوں کو بھی محسوس اور معلوم ہو جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ متعدد بار نبی پر غفلت طاری کرتا ہے تا کہ نبی کے وسیع علم کو دیکھ کر عام آدمی نبی کے علم پر اللہ تعالیٰ کے علم کا دھوکا نہ کھا سکے۔ اسی طرح عصمت کے باوصف بعض اوقات اللہ تعالیٰ نبی کو نسیان یا اجتہادی خطاء کے عارضہ سے ممنوعہ کاموں میں مبتلا کرتا ہے تا کہ نبی کی معصومیت ایک عام انسان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی نزاہت کاملہ سے مشتبہ نہ ہو جائے اور یونہی نبی کو تسخیر کائنات کی قدرت دینے کے باوجود اللہ تعالیٰ نبی کو درد اور تکلیف اور دوسرے عوارض بشریہ میں مبتلا کرتا ہے تا کہ کوئی شخص نبی کی قدرت پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اور اس کی طاقت پر اللہ تعالیٰ کی طاقت کا دھوکا نہ کھا سکے۔

مقام نبوت

اللہ تعالیٰ کا نبی اس کی مخلوق میں سب سے بلند ہوتا ہے، سالہا سال سے لوح محفوظ کا مطالعہ کرنے والے اور عرصہ دراز سے تسبیح کرنے والے فرشتوں کے سامنے جب پہلا نبی آیا تو سارے فرشتے اس کے حضور سجدے میں گر گئے، آدم اور ملائکہ کی پہلی ملاقات سے ہی ظاہر ہو گیا کہ جس مقام پر فرشتوں کے علم کی انتہاء ہوتی ہے وہاں سے علوم نبوت کی ابتداء ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب فرشتوں سے فرمایا: اَنۡۢبِـُٔوۡنِىۡ بِاَسۡمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ (البقرہ:۳۱) ''مجھے ان چیزوں کے نام بتاؤ'' تو انہوں نے جواب میں کہا: لَا عِلۡمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا (البقرہ:۳۲) ''تیرے دیئے ہوئے علم کے سوا ہمارے پاس اور کوئی علم نہیں'' اور یہ کہہ کر انہوں نے اللہ کے علم کے مقابلہ میں اپنا علم بھی ثابت کر لیا اور جب عرصۂ محشر میں اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام سے پوچھے گا: مَاذَآ اُجِبۡتُمۡ (المائدہ:۱۰۹) ''جب تم نے مخلوق کو حق کی دعوت دی تو انہوں نے کیا کہا؟'' تو وہ سب یک زبان ہو کر عرض کریں گے: لَا عِلۡمَ لَنَا ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ عَلَّامُ الۡغُيُوۡبِ ﴿۱۰۹﴾ (المائدہ) ''اے اللہ! تیرے بیکراں علم کے سامنے ہمارا علم کوئی حقیقت نہیں رکھتا''۔ کیونکہ کمال ادب یہی ہے کہ سورج کے سامنے چراغ کو نہ لایا جائے اور اللہ تعالیٰ کے لامحدود علم کے مقابلہ میں اپنے علم کا ذکر نہ کیا جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بارگاہ صمدیت کے ادب واحترام میں انبیاء کا جو مقام ہے وہاں فرشتوں کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

انبیاء کرام کی دو حیثیتیں ہوتی ہیں، ایک حیثیت سے ان کا اللہ تعالیٰ سے رابطہ ہوتا ہے اور دوسری حیثیت سے وہ امت سے متعلق ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے ان کے احوال مختلف ہوتے ہیں، ایک وقت وہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام مصر سے قافلہ کی روانگی سے پہلے کنعان میں بیٹھ کر فرماتے ہیں: اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ (یوسف: ۹۴) ''میں (حضرت یوسف کی خوشبو سونگھ رہا ہوں'' اور ایک وہ وقت ہے کہ گھر کے قریب کنویں میں حضرت یوسف (علیہ السلام) گرے ہوئے ہیں اور آپ کا ذہن اس طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں تو پھر کائنات کی کسی اور شے کی طرف ان کا التفات نہیں ہوتا اور جب مخلوق کی طرف متوجہ ہوں تو کوئی چیز ان سے مخفی نہیں رہتی۔

نبی چونکہ اللہ کے پاس سے آتا ہے اس لئے اس کا اصل مقام اللہ تعالیٰ کی ذات میں انہماک اور اس کی صفات میں استغراق ہوتا ہے، وہ اپنی فطرت اور مزاج سے اللہ تعالیٰ کے جلوؤں میں کھویا رہتا ہے۔ نبی کی خلوت اللہ کی دید اور اس کی جلوت اللہ کی شنید ہوتی ہے، وہ اسی کی تجلیات میں محو رہتا ہے، لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کو نبی کے ذریعہ مخلوق کی ہدایت مقصود ہوتی ہے، اس لئے وہ فرشتوں کو بھیج کر نبی کو اس عالم محویت سے ہٹاتا ہے اور مقام بعثت پر فائز کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ پیارے! تم تو منزل رسیدہ ہو، ذرا اس امت کو بھی مقام آشنا کر دو، جس محویت اور انہماک سے ہمیں دیکھتے ہو، اس دید کا کچھ حصہ امت کو بھی عطا کر دو۔ اٹھو! پنجۂ ابلیس میں اسیر لوگوں کو ضلالت کے ماروں کو صراط مستقیم دکھا دو۔ یہ مخلوق اپنی بدکاریوں کے سبب جہنم کے کنارے آ پہنچی ہے، اسے آگ میں گرنے سے بچا لو۔ اپنی انقلاب آفریں نظروں سے کام لو اور اس معاشرہ کو بدل ڈالو، بت پرستی کے متوالوں کو توحید کا رسیا کر دو اور ابلیسی کام کرنے والوں کو فرشتوں کی پاکیزگی دے دو۔



ختم نبوت

پاکستان کی تاریخ میں ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کا دن انتہائی اہمیت کا حامل ہے، اس دن پاکستان کی قومی اسمبلی نے پوری قوم کی نمائندگی کرتے ہوئے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا اور اب آئینی طور پر وہ مسلمانوں سے ایک الگ قوم شمار کئے جاتے ہیں۔ بہت سے ناواقف لوگ قادیانیت کو سمجھے بغیر اس سے وابستہ ہو گئے تھے۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے قرآن کریم کی خانہ ساز تفسیر اور نبوت کی خودساختہ اقسام بیان کر کے سادہ لوح لوگوں کو یہ باور کرایا کہ اس کا دعویٰ نبوت ختم نبوت کے عقیدے سے متصادم نہیں ہے۔ اس وجہ سے بہت سے ایسے لوگ جو دین کے اصول اور قواعد سے نا آشنا تھے، مرزا صاحب کی نبوت سے متفق ہو گئے۔ لیکن اب جب کہ پوری ملت اسلامیہ نے قادیانیوں کو کافر قرار دے دیا ہے اور پاکستان میں اس کی سرکاری حیثیت بھی منوالی ہے تو اب ان حضرات کو یہ سوچنے کا موقع ملے گا کہ چند لاکھ قادیانیوں کے مقابلے میں کروڑوں مسلمان جھوٹے نہیں ہو سکتے۔

قرآن کریم نے مسلمانوں کے اجماعی مسلک کی مخالفت کو گمراہی قرار دیا ہے، پھر تمام مسلمانوں کے خلاف قادیانیوں نے جو راستہ اختیار کیا ہے وہ ہدایت کیسے ہوسکتا ہے؟ ممکن ہے اس موڑ پر آ کر ان کا ذہن رخ بدلے اور غور وفکر کرے اور اگر وہ نہیں سوچتے تو ہم انہیں غور وفکر کی دعوت دیتے ہیں اور اس موقع پر یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ ان کے سامنے از سرِ نو اسلام پیش کیا جائے اور انہیں بتایا جائے کہ حضور تاجدار مدنی محمد رسول اللہ ﷺ پر اللہ تعالیٰ نے نبوت کو ختم کر دیا ہے۔ جس آخری اینٹ سے قصر نبوت مکمل ہونا تھا وہ لگ چکی ہے اور آپ کے بعد اب کسی شخص کے نبی بننے کا جواز نہیں رہتا اور جو دعویٰ نبوت کرے گا کافر ہوگا۔

اس بحث سے پہلے ہم نبی کی تعریف، اس کی شرائط اور صفات بیان کریں گے، پھر ختم نبوت کا مفہوم واضح کریں گے، اس کے بعد اہم شبہات کا ازالہ کریں گے اور آخر میں انہیں حق وصداقت کے نام پر اسلام کی دعوت دیں گے۔ اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے یہ

بات ذہن نشین رکھنی چاہئے کہ نبوت کا مسئلہ عقیدے سے متعلق ہے لہٰذا اس کا اثبات صرف قرآن کریم کی آیات صریحہ اور احادیث متواترہ سے ہی ہو سکتا ہے۔ اخبار آحاد بھی عقائد کے اثبات کے لئے کافی نہیں ہیں اور نہ ہی فلاسفہ کے مبہم اقوال اس بحث میں کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔

حقیقت نبوت

نبی اس انسان کو کہتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے شریعت کی تبلیغ پر مامور کیا ہو، خواہ وہ شریعت سابقہ ہو یا جدیدہ، چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے: فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ ۪ وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ (البقرہ: ۲۱۳) ''اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو بھیجا جو مومنوں کو بشارت دیتے تھے اور کفار کو عذاب سے ڈراتے تھے اور ان پر کتاب نازل کی (یعنی مجموعۂ احکام خواہ بصورت صحیفہ ہو یا بشکل وحی) تاکہ وہ اس کے مطابق لوگوں کا فیصلہ کریں''۔

نبوت کا تحقق وحی الٰہی سے ہوتا ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْۤ اِلَيْهِمْ (النحل: ۴۳) ''اور ہم نے آپ سے پہلے جو پیغمبر بھیجے وہ مرد ہی تھے جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے''۔

نیز فرمایا: اِنَّاۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ كَمَاۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلٰى نُوْحٍ وَّ النَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ (النساء: ۱۶۳) جس طرح ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے اسی طرح ہم نے نوح اور دیگر انبیاء (علیہم السلام) کی طرف وحی نازل کی تھی''۔

نبی کی شرائط میں سے یہ ہے کہ وہ اپنی صداقت پر معجزہ پیش کرے کیونکہ بغیر معجزہ کے نبوت صادقہ اور نبوت کاذبہ میں امتیاز نہیں ہو سکتا۔ نیز ''صحیح بخاری'' میں ہے کہ انبیاء میں سے کوئی نبی نہ تھا مگر اسے ایسی نشانیاں دی گئیں جو ایک بشر کے ایمان لانے کے لئے کافی تھیں، نبی کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ وہ جس قوم کی طرف مبعوث ہو اس کی زبان جاننے والا ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ (ابراہیم: ۴) ''ہم نے کسی قوم کی طرف

رسول نہیں بھیجا، مگر اسی قوم کی زبان میں'' اور یہ تو بالکل بدیہی بات ہے کہ نبی پر جو وحی ہوتی ہے وہ اس کا مفہوم اور مطلب پوچھنے میں دوسروں کا محتاج نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ انبیاء کے حق میں فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ ﴿۳۳﴾ (آل عمران) ''اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم، حضرت نوح، آل ابراہیم اور آل عمران کو تمام جہانوں پر فضیلت عطا کی ہے''۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام تمام مخلوق میں سب سے زیادہ پسندیدہ صفات کے حامل ہوتے ہیں اور فضائل و کمالات کے لحاظ سے دنیا میں کوئی ان کا ہمسر نہیں ہوتا۔ اس آیت کے بموجب نبی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے زمانے کے تمام لوگوں کی جسمانیت اور عقل کے لحاظ سے کامل ہو۔ علم و فضل میں تمام لوگوں سے بڑھ کر ہو، قابل نفرت صفات سے منزہ ہو، اس کی سیرت پاکیزہ اور اخلاق حمیدہ ہوں، حوصلہ مند اور جری ہو، کفار سے مرعوب نہ ہو اور آوازۂ حق سنانے کے لئے بڑے سے بڑے فرعون کو بھی خاطر میں نہ لاتا ہو۔ نبی اللہ تعالیٰ کا نائب ہوتا ہے۔ اس کی خوشنودی اللہ کی مرضی اور اس کا حکم اللہ کا فرمان ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (نساء: ۸۰) ''جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی''۔

ظلی اور بروزی نبوت

مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے اپنی نبوت کو ثابت کرنے اور وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ (احزاب: ۴۰) سے تعارض اٹھانے کے لئے غیر مستقل نبوت کا سہارا لیا ہے اور اس لحاظ سے وہ اپنے آپ کو کبھی امتی نبی، کبھی غیر تشریعی نبی اور کبھی ظلی اور بروزی نبی کہتے ہیں۔ لیکن یہ تمام اصطلاحات غیر اسلامی ہیں۔ قرآن کریم اور احادیث متواترہ سے ان کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ نبی کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے وحی حاصل کر کے لوگوں کو پہنچائے۔ خواہ اسے شریعت سابقہ کی وحی کی جائے یا جدیدہ کی اور جس شخص کو اللہ نے یہ منصب دے دیا وہ حقیقی، مستقل اور تشریعی نبی ہے۔ ظل، بروز اور امتی نبی کا اسلام میں کوئی تصور نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمان اِنَّاۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ كَمَاۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰى نُوْحٍ وَّ

النَّبِیّٖنَ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ (النساء: ۱۶۳) اور وَ مَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِیۡۤ اِلَیۡهِمۡ (النحل: ۴۳) سے یہ ظاہر کر دیا ہے کہ نبی وہ ہوتا ہے جس کی طرف اللہ وحی فرمائے اور فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیۡنَ وَ مُنۡذِرِیۡنَ ۪ وَ اَنۡزَلَ مَعَهُمُ الۡكِتٰبَ بِالۡحَقِّ لِیَحۡكُمَ بَیۡنَ النَّاسِ (البقرہ: ۲۱۳) فرما کر یہ بتلا دیا کہ نبی کے ذمہ وحی سے حاصل شدہ احکام کو بیان کرنا ہے۔

پس جو شخص وحی کا دعویٰ کرتا ہے وہ حقیقت میں نبوت مستقلہ کا دعویٰ کرتا ہے۔ کیونکہ نہ نبوت کا اس کے سوا کوئی اور مفہوم ہے اور نہ ہی نبوت غیر مستقل ہوتی ہے۔ جس طرح اللہ واجب اور مستحق عبادت ہے، اس کے سوا الوہیت کا اور کوئی مفہوم نہیں ہے، اسی طرح وحی اور اس کی تبلیغ کے سوا نبوت کا کوئی مفہوم نہیں اور جس طرح کوئی شخص ظلی اور بروزی خدا نہیں ہوسکتا اسی طرح کوئی شخص ظلی اور بروزی نبی بھی نہیں ہوسکتا۔

ختم نبوت

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں جس قدر چیزیں پیدا فرمائی ہیں، ان کو تدریجاً اپنے کمال طبعی تک پہنچایا ہے۔ جب تک کوئی شئے اپنے کمال طبعی تک نہیں پہنچتی اس وقت تک اس میں ارتقائی تغیرات آتے رہتے ہیں اور جب وہ ارتقائی منازل طے کرتی ہوئی اپنے منتہائے کمال تک پہنچ جاتی ہے تو آخر عمر تک وہ اسی مرتبے پر رہتی ہے اور اس میں کوئی اضافہ اور ترقی نہیں ہوتی۔ اسی نہج پر اللہ تعالیٰ نے نظام شریعت قائم کیا۔ شرائع اور احکام کا سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر ارتقائی منازل طے کرتا ہوا حضور سید عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ کر اپنے منتہائے کمال تک آ پہنچا۔ اسی طرح رسالت، نبوت اور شریعت کی جس قدر اصطلاحیں تھیں، وہ سب آپ پر ختم ہو گئیں اور آپ کے بعد ان میں کوئی اضافہ نہیں ہوسکتا۔

انبیاء سابقین علیہم السلام جن شریعتوں اور اسوۂ ہائے زندگی کو لے کر آتے رہے وہ انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر محیط نہ تھے۔ مثلاً عیسیٰ علیہ السلام نے تجرد کی زندگی گزاری اور ازدواجی سیرت کے لئے ان کی زندگی میں کوئی نمونہ نہ تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے شاہی کی زندگی گزاری ہے اور فقر کے لئے ان کی زندگی میں کوئی اسوہ نہیں۔ اس طرح سابقہ شریعتوں میں سیاست اور عبادت کا الگ الگ نظام تھا۔ یہ سب جزوی شریعتیں تھیں۔ اس لئے ایک جامع

اور کامل نبی کی ضرورت تھی جس کی سیرت میں انسان کی زندگی کے ہر شعبہ کے لئے ہدایت ہو، قیامت تک پیش آنے والے حالات اور مسائل میں کوئی مسئلہ نہ ہو مگر اس نبی کی شریعت میں اس کے لئے رہنمائی موجود ہو، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ (المائدہ: ۳) حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اس شریعت کو کامل اور مکمل کر دیا اور کامل اور مکمل ہونے کے یہی معنی ہیں کہ انسانی ضروریات کے لئے وحی کے ذریعہ جتنی ہدایات دی جا سکتی تھیں، وہ سب دی جا چکی ہیں۔ اس کے بعد بھی اگر وحی کا دروازہ کھلا چھوڑ دیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دین ابھی کامل اور مکمل نہیں ہوا۔

پہلے زمانہ میں جب انبیاء کے آنے کا سلسلہ جاری تھا۔ ایک نبی آتا اور بعض امور کے لئے ہدایت جاری کر دیتا اور کچھ امور رہ جاتے اور پھر دوسرا نبی آتا اور بعض احکام جاری کرتا۔ لیکن ضابطہ اخلاق و عادات ادھورا ہی رہ جاتا۔ اس لئے ایسے نبی کی ضرورت تھی جس کے وجود سے ادھورے اخلاق پورے ہو جائیں اور ناتمام نظام مکمل ہو جائے۔ حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آئے اور دین و دنیا کا ایک ایسا کامل نظام پیش کیا جس میں ایک عالم سے لے کر عابد تک، سپاہی سے لے کر سپہ سالار تک اور تاجر سے لے کر قاضی تک سب کے لئے ہدایت ہے، اگر تخت سلطنت پر بیٹھنے والا حاکم یہ فخر کرتا ہے کہ میں حضور کی سیرت کا تابع ہوں تو ایک کلہاڑا چلانے والا مزدور بھی سینہ تان کر کہہ سکتا ہے کہ میں بھی حضور کی سنت کا پیروکار ہوں۔ انسانی اخلاق کے وہ تمام شعبے جو آپ کے آنے سے پہلے ناتمام تھے، آپ کے آنے سے تمام اور کامل ہو گئے۔ اسی لئے آپ نے فرمایا:

بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ۔ ''میں اس لئے آیا ہوں کہ مکارم اخلاق کو پورا کر دوں''۔ پہلے نبیوں کی زندگی اور سیرت میں حیات انسانی کا کوئی حصہ رہ جاتا تھا جسے پورا کرنے کے لئے دوسرے نبی آتے تھے۔ اگر آپ کی زندگی میں بھی کوئی خلا ہوتا تو اسے بھی پورا کرنے کے لئے بعد میں کوئی نبی آتا۔ لیکن آپ نے ایسی جامع اور کامل زندگی گزاری ہے کہ اس میں بعد میں آنے والوں کے لئے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی اور اب اگر آپ کے

بعد کوئی شخص کسی کی نبوت کو تجویز کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ آپ کی سیرت کے تمام اور کامل ہونے پر ایمان نہیں رکھتا۔

پہلے انبیاء بعض قوموں کے لئے مخصوص ہوتے تھے۔ جس قوم کے لئے وہ شریعت لے کر آتے اس کے سوا کوئی اور قوم اس ہدایت سے مستفید نہیں ہو سکتی تھی۔ لیکن رحمت خداوندی کا سیلاب تمام انسانوں کو اپنی آغوش میں لینا چاہتا تھا، اللہ کی ہدایت کا امڈتا ہوا دریا یہ چاہتا تھا کہ ایک ایسا نبی بھیجے جس کی شریعت میں رنگ و نسل، خاندان اور قبیلہ اور زبان و بیان کی کوئی قید نہ ہو، جس کی تبلیغ کی تند و تیز موجوں کی راہ میں زمانہ اور زمانیات رکاوٹ نہ بن سکیں، جس کا پیغام زمانہ بعثت سے لے کر قیامت تک پیدا ہونے والے ہر انسان کے لئے ہدایت ہو۔ پس اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا اور فرمایا: قیامت تک کی نسلوں کو مخاطب کر کے کہہ دیجئے:

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا (الاعراف: ۱۵۸) ''میں تم تمام لوگوں کے لئے رسول بن کر آیا ہوں'' اب حضور کے بعد اگر کوئی فرقہ کسی شخص کی نبوت کو جائز رکھتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ تمام انسانوں کے لئے حضور کی رسالت کو کافی نہیں سمجھتا اور وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ (سبا: ۲۸) پر ایمان نہیں رکھتا۔

اللہ تعالیٰ نے جتنی کتابیں پہلے بھیجیں ان میں سے کسی کی حفاظت کا انتظام نہیں فرمایا۔ کیونکہ ان میں مذکورہ ہدایت کی قیامت تک کے لئے ضرورت نہ تھی۔ لیکن قرآن چونکہ وقوع ساعت تک کے لئے ہدایت تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا ذمہ لیا اور فرمایا: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ (الحجر) اسی لئے حضور سے فرمایا کہ آپ کہہ دیجئے: وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ (الانعام: ۱۹) ''مجھ پر یہ قرآن اسی لئے وحی کیا گیا ہے، تاکہ میں تمہیں اور قیامت تک جن کو اس کا پیغام پہنچے، انہیں عذاب آخرت سے ڈراؤں''۔ پس معلوم ہوا کہ وحی قرآن قیامت تک کے لئے کافی ہے اور جو شخص اس کے بعد کسی اور وحی کا قائل ہے وہ وقوع ساعت تک قرآن کے عموم اور شمول پر ایمان نہیں رکھتا۔

حضور سے پہلے جو نبی آئے تھے وہ کسی خاص علاقہ کے لئے نبی ہوتے تھے۔ جو نبی جس علاقے کے لئے ہوتا، اسی علاقہ کے لوگ اس سے استفادہ کر سکتے تھے۔ اللہ نے چاہا کہ ایک ایسا نبی بھیجے جس کی تبلیغ میں علاقہ کی حد بندیاں حائل نہ ہوں۔ پس اس نے حضور ﷺ کو بھیجا اور فرمایا: وَ مَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (الانبیاء) نیز فرمایا: تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا (الفرقان) حضور علیہ السلام کی رحمت اور آپ کی ہدایت تمام جہانوں کے لئے ہے۔ لہٰذا جس چیز پر بھی عالم رنگ و بو کا اطلاق ہوگا، اس کے لئے حضور کی ہدایت کافی ہے۔ اب اگر حضور کے بعد کسی علاقہ کے لوگ ایک نیا نبی تجویز کر لیں تو اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ تمام علاقوں کے لئے حضور کی نبوت پر ایمان نہیں رکھتے۔

پہلے زمانے میں ایک شریعت آتی، پھر منسوخ ہو جاتی، پھر ایک اور شریعت آتی اور وہ بھی منسوخ ہو جاتی۔ ایک زمانہ میں کئی کئی شریعتیں چلتی رہتیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ ایک ایسی شریعت بھیجے جو تمام شریعتوں پر غالب ہو، جسے بعد میں کوئی منسوخ نہ کر سکے، پس فرمایا:

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ

(الصف:۹) ''اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین کامل دے کر بھیجا تاکہ اسے تمام ادیان پر غالب کر دے''۔ پس حضور کی شریعت اور آپ کا دین تمام ادیان پر غالب ہے اور حضور کے بعد جو شخص وحی کے ذریعے اللہ کے احکام پانے کا دعویٰ کرتا ہے وہ حضور کے لائے ہوئے دین کے غالب ہونے کا ایمان نہیں رکھتا۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے مختلف اسالیب سے حضور کی ختم نبوت کو بیان فرمایا ہے، لیکن بالآخر گفتگو کو ختم کرنے کے لئے فرما دیا:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ

(الاحزاب:۴۰) ''محمد (ﷺ) تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں اور نبیوں کو ختم کرنے والے''۔

خاتم کا صاف اور صریح مطلب یہ ہے کہ بعثت انبیاء کا سلسلہ حضور ﷺ پر ختم ہو گیا

ہے اور آپ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہو سکتا۔ لیکن مرزا غلام احمد قادیانی کہتا ہے کہ خاتم کا معنی مہر ہے اور مطلب یہ کہ حضور کو اللہ تعالیٰ نے نبوت کی مہر بنایا ہے۔ جس شخص پر حضور اپنی مہر لگا دیتے ہیں وہ نبی بن جاتا ہے۔ چنانچہ میں بھی حضور کی مہر سے نبی بن گیا ہوں۔ اس کے جواب میں گزارش ہے کہ نبی بنانا اللہ کا کام ہے، حضور کا منصب نہیں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ (الانعام: ۱۲۴) ''اللہ خوب جانتا ہے وہ کسے رسول بنائے گا''۔ معلوم ہوا کہ رسالت کا جاعل اور خالق اللہ تعالیٰ ہے، حضور نہیں ہیں۔ جس شئے کو بند کرنے کے بعد اس پر سیل اور مہر لگا دیتے ہیں، اس کو عربی میں ختم سے تعبیر کرتے ہیں، جیسے فرمایا: خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ (البقرہ: ۷) کفار کے دلوں پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی ہے۔ یعنی اب ان میں ہدایت نہیں آسکتی۔ اسی طرح ختم نبوت کا مطلب یہ ہے کہ سلسلہ نبوت پر حضور کے ذریعہ مہر اور سیل لگا دی ہے۔ اب حضور کے بعد اس میں کسی کی مزید نبوت کا اضافہ نہیں ہو سکتا۔

ایک شبہ کا ازالہ

یوں تو مرزا صاحب کے پیروؤں کے متعدد شبہات ہیں، لیکن ان سب پر گفتگو اس مختصر مضمون میں ممکن نہیں ہے۔ اس موضوع پر ان کی جو معرکۃ آراء دلیل ہے اور جس کو وہ بڑے طمطراق سے پیش کرتے ہیں، ہم اسے پیش کیے دیتے ہیں، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا ﴿۶۹﴾ (النساء)۔

اس آیت کا صاف اور صریح ترجمہ تو یہی ہے کہ ''جو شخص اللہ اور رسول کی اطاعت کرے وہ (آخرت میں) ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ نے انعام کیا جو انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں، ان کی رفاقت بہت اچھی ہے۔ مَعَ کا معنی لغت عربی میں ''ساتھ ہونا'' آتا ہے اور اس معنی کو حَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا میں رفاقت کے مفہوم نے اور بھی مؤکد کر دیا ہے، لیکن مرزا صاحب کے پیروکار کہتے ہیں کہ مَعَ کا معنی ''بننا'' ہے اور آیت کا مطلب ہے: اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے لوگ نبی بن جاتے ہیں۔ وہ

کہتے ہیں کہ جب اطاعت الٰہی و رسول سے صدیق، شہید اور صالح بن سکتے ہیں تو نبی کیوں نہیں بن سکتے؟ اس کے جواب میں اولاً گزارش ہے کہ اگر مَعَ کا معنی ''بننا'' تسلیم کر لیا جائے تو اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ (البقرہ: ۱۵۳) کا مطلب ہوگا: صبر کرنے والے خدا بن جاتے ہیں اور اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا (نحل: ۱۲۸) کا مطلب ہوگا کہ متقی لوگ خدا بن جاتے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ بداہتہً باطل ہے، ثانیاً اگر اللہ اور اس کی اطاعت سے لوگ نبی بن جاتے ہیں تو کیا چودہ سو سال کے عرصہ میں اللہ اور رسول کا اطاعت گزار کوئی نہ تھا؟ یہ کیا سبب ہے کہ اس عرصہ میں صدیق، شہید اور صالحین تو آتے رہے، نبی کوئی نہیں آیا۔ ثالثاً اگر اطاعت رسول سے نبوت ملتی ہو تو ان لوگوں کو نبی ہونا چاہئے تھا، جو اطاعت میں سب سے کامل تھے، جنہوں نے نگاہ رسالت سے تربیت پائی، جن کے سامنے قرآن اترا، جن کو اپنی زندگی میں رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ (بینہ: ۸) کے ذریعے اعمال کی مقبولیت کی سند مل گئی اور جب ایسے کامل حضرات اطاعت سے نبی نہ بن سکے تو وہ شخص کیسے نبی سکتا ہے جس کے نہ ایمان کی ضمانت ہے نہ اعمال کی گارنٹی۔

عبارات صوفیاء

محی الدین ابن عربی اور بعض دیگر صوفیاء کی عبارات میں اولیاء اللہ کے لئے ''انبیاء الاولیاء'' کا لفظ ملتا ہے۔ مرزائی حضرات اس قسم کی عبارتوں سے یہ مطلب ثابت کرتے ہیں کہ صوفیاء کرام اولیاء اللہ کے لئے ظلی اور امتی نبوت کے قائل تھے۔ اس بات کا سب سے پہلا اور آخری جواب یہ ہے کہ قرآن و حدیث کی صریح عبارات کے بعد ہمیں ان مبہم اقوال میں الجھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ اقوال ضروریات دین میں سے نہیں ہیں۔ ان میں سے جو چیز کتاب و سنت کے مطابق ہے، وہ مقبول ہے اور جو چیز کتاب و سنت کے مطابق نہیں اس کے بارے میں حسن ظن یہی ہے کہ یہ بعد کے لوگوں کا الحاق ہے، ان کی اصلی عبارت نہیں ہے۔ جس طرح زنادقہ نے رسول اللہ ﷺ کی احادیث میں اپنی طرف سے گھڑ کر کلام ملا دیا اسی طرح ملاحدہ نے اکابر صوفیاء اور علماء کی عبارات میں مختلف باتیں وضع کر کے شامل کر دیں۔ چنانچہ ملا علی قاری لکھتے ہیں:

وَاَمَّا مَا حُكِيَ عَنِ ابْنِ الْعَرَبِيِّ مِنْ خِلَافِ ذَالِكَ فَحُسْنُ الظَّنِّ بِهٖ اَنَّهٗ مِنَ الْمُفْتَرَيَاتِ عَلَيْهِ الْمَنْسُوْبَاتِ اِلَيْهِ۔ (شرح فقہ اکبر ص ۱۴۲)	ہر مومن پر ولی کے اطلاق کی جو حکایت ابن عربی سے کی جاتی ہے وہ ان جملہ افتراءآت میں سے ہے جو ان کی طرف منسوب ہیں۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حضرت ابن عربی کی طرف بہت سی غلط باتیں منسوب کر دی گئی ہیں۔ اس طرح حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی طرف ایک پوری کتاب ''غنیۃ الطالبین'' کے نام سے منسوب کر دی گئی حالانکہ محققین نے تصریح کی ہے کہ وہ ان کی تصنیف نہیں ہے اور دیکھئے! امام عبدالوہاب شعرانی کی زندگی میں ان کی تصنیف ''البحر المورود'' میں تحریف کر دی گئی جس کا شکوہ انہوں نے ''المیزان الکبریٰ'' میں کیا ہے۔ پس صوفیاء کرام کی جو ایسی عبارات منقول ہیں، جو صریح قرآن وحدیث کے خلاف ہیں، ان کا اس کے سوا کوئی اور محمل نہیں کہ وہ محض جعلی، وضعی اور الحاقی عبارات ہیں، انہیں کسی طور پر بھی حجت نہیں مانا جا سکتا۔

قرآن کی آیات صریحہ سے جب ظاہر ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نبوت ختم ہو چکی ہے تو آپ کے بعد جو شخص بھی وحی اور نبوت کا دعویٰ کرے گا، وہ باطل ہو گا۔ اس شخص کو کافر اور مرتد قرار دیا جائے گا۔ اس لئے مرزا غلام احمد قادیانی کے دعویٰ وحی اور نبوت کے بطلان کے لئے اتنا ہی کافی تھا۔ لیکن ہم عمومی دلائل پر اکتفاء کرنے کے بجائے بالخصوص مرزا صاحب کی نبوت پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں، تاکہ متلاشیان حق پر حق تمام پہلوؤں سے آشکارا ہو جائے۔

مرزا صاحب کی نبوت

مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے پیروکار انہیں غیر تشریعی اور ظلی نبی مانتے ہیں اور لاہوری حضرات سرے سے نبی ہی نہیں مانتے، بلکہ مجدد کہتے ہیں۔ لیکن یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ غیر تشریعی اور ظلی نبی کوئی نہیں ہوتا۔ وحی اور تبلیغ وحی میں نبوت اور تشریع کی حقیقت ہے اور جو شخص وحی پانے اور اس کی تبلیغ کا دعویٰ کرتا ہے وہ مستقل نبوت کا مدعی ہے اور مرزا صاحب نے جب وحی اور اس کی تبلیغ کا دعویٰ کیا تو یہ تجدید کا نہیں نبوت مستقلہ اور تشریع کا

دعویٰ تھا اور اگر قادیانی حضرات نہ مانیں تو ہم مرزا صاحب کے کلام سے یہ بات منوائے دیتے ہیں۔ مرزا صاحب لکھتے ہیں:

یہ بھی تو سمجھو کہ شریعت کیا چیز ہے، جس نے اپنی وحی کے ذریعہ سے چند امر و نہی بیان کئے اور اپنی امت کے لئے ایک قانون مقرر کیا وہی صاحب شریعت ہو گیا۔ میری وحی میں امر بھی ہے اور نہی بھی اور اگر کہو کہ شریعت سے وہ شریعت مراد ہے جس میں نئے احکام ہوں تو یہ باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿۱۸﴾ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ﴿۱۹﴾ (الاعلیٰ: ۱۸۔۱۹)، (اربعین ج ۴ ص ۷۔ ۸۳) یعنی یہ قرآنی تعلیم تورات میں بھی موجود ہے۔

اس عبارت کے تیور بتا رہے ہیں کہ صاحب عبارت اپنے آپ کو کس پائے کا اولوالعزم نبی سمجھتا ہے، جس پر وحی اترتی ہے۔ جو صاحب شریعت ہے اور جو اپنے لئے ایک مستقل اور متوازی امت کا دعویٰ رکھتا ہے۔ آیئے! اب ہم مرزا صاحب کی نبوت کا سراپا ان کے کلام کی روشنی میں پیش کرتے ہیں جس سے ان کی نبوت کی حقیقت آفتاب سے زیادہ روشن ہو جائے گی۔

مرزا صاحب کی وحی

مرزا صاحب لکھتے ہیں:

اور یہ بالکل غیر معقول اور بے ہودہ امر ہے کہ انسان کی اصل زبان تو کوئی اور ہو اور الہام اس کو کسی اور زبان میں ہو جس کو وہ سمجھ بھی نہ سکتا ہو کیونکہ اس میں تکلیف مالا یطاق ہے۔ (چشمۂ معرفت ص ۲۰۹)

پھر یہ بھی انہوں نے ہی لکھا ہے کہ ''زیادہ تر تعجب کی بات یہ ہے کہ بعض الہامات مجھے ان زبانوں میں بھی ہوتے ہیں جن سے مجھے کچھ بھی واقفیت نہیں ہے، جیسے انگریزی، سنسکرت یا عبرانی وغیرہ''۔ (نزول المسیح ص ۵۷)

ایک مکتوب میں شکوہ کرتے ہیں کہ ''چونکہ اس ہفتہ میں بعض کلمات انگریزی وغیرہ الہام ہوئے ہیں اور اگرچہ بعض ان میں سے ہندو لڑکے سے دریافت کئے مگر قابل اطمینان

نہیں''۔ (مکتوبات احمدیہ ج ا ص ۶۸)

کیا مرزا صاحب کی ان عبارات سے ظاہر نہیں ہو جاتا کہ جس کلام کو انہوں نے وحی کے نام سے دنیا کے سامنے پیش کیا ہے وہ ان کے اپنے قول کے مطابق غیر معقول اور بے ہودہ باتوں کے سوا کچھ نہیں۔ غور فرمائیے کہ کیا نبی کے کلام کی یہی شان ہوتی ہے۔

مرزا صاحب کا کلام

مرزا صاحب نے حق اور باطل کا ایک معیار پیش کیا ہے، وہ ہے تناقض۔ چنانچہ لکھتے ہیں: ''جھوٹے کے کلام میں تناقض ضرور ہوتا ہے''۔ (ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ ۵ ص ۱۱۲)

اب غور کیجئے کہ مرزا صاحب ایک جگہ لکھتے ہیں کہ: ''پہلے زمانہ میں جو کوئی نبی ہوتا تھا وہ کسی گزشتہ نبی کی امت نہیں کہلاتا تھا گو اس کے دین کی نصرت کرتا تھا''۔

(چشمۂ معرفت ضمیمہ ۹)

دوسری جگہ لکھتے ہیں: اس طرح تو ماننا پڑے گا کہ نعوذ باللہ آنحضرت کی قوت قدسی کچھ بھی نہ تھی اور آپ حضرت موسیٰ سے بھی گرے ہوئے ہیں، بلکہ ان کے بعد ان کی امت میں سے سینکڑوں نبی آئے۔

پہلے کلام میں ہے کہ گزشتہ نبیوں میں کوئی امتی نبی نہ تھا۔ دوسرے میں ہے: سینکڑوں امتی نبی تھے اور یہ کھلا ہوا تناقض ہے اور مرزا صاحب کی تحریر کے مطابق یہ صرف جھوٹے شخص کا ہی حصہ ہے۔ ایک اور تناقض ملاحظہ فرمائیے۔ مرزا صاحب لکھتے ہیں:

اگر خدا تعالیٰ سے غیب کی خبریں پانے والا نبی کا نام نہیں رکھتا تو پھر بتلاؤ کس نام سے اس کو پکارا جائے۔ اگر اس کا نام محدث رکھنا چاہتے ہو تو میں کہتا ہوں کہ تحدیث کا معنی کسی لغت کی کتاب میں اظہار غیب نہیں ہے۔ مگر نبوت کا معنی اظہار غیب ہے۔

(ایک غلطی کا ازالہ ص ۷)(1)

اس عبارت کا مفاد یہ ہے کہ محدث پر اظہار غیب نہیں ہوتا۔ اب دوسرا قول ملاحظہ فرمائیے:

1۔ اشتہار مرزا غلام احمد قادیانی بجواب سوال مندرجہ اخبار الحکم قادیان مورخہ ۱۷ اپریل ۱۹۰۳ء

''اور محدث بھی ایک معنی سے نبی ہی ہوتا ہے، گو اس کے لئے نبوت تامہ نہیں۔ مگر تاہم جزوی طور پر وہ ایک نبی ہی ہے۔ کیونکہ وہ خدا تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا شرف رکھتا ہے اور امور غیبیہ اس پر ظاہر کئے جاتے ہیں''۔ (توضیح مرام ص ۱۸)

مرزا صاحب کا کلام متناقض ہے اور خود ان کی تصریح کے مطابق تناقض جھوٹے کلام میں ہوتا ہے۔ پس سوچنا چاہئے کہ ایک جھوٹا شخص دعویٰ نبوت میں کس طرح سچا ہو سکتا ہے۔

کذب صریح

انبیاء علیہم السلام صادق اور صدیق ہوتے ہیں۔ نبوت سے قبل اور بعد ان کے کلام میں کذب راہ نہیں پا سکتا۔ قرآن کریم میں ان کے صدق کو متعدد آیات سے بیان کیا گیا ہے۔ لیکن اختصار کے پیش نظر مرزا صاحب کی صرف ایک مثال پیش خدمت ہے، لکھتے ہیں:

''بخاری'' میں لکھا ہے کہ آسمان سے اس کے لئے آواز آئے گی کہ ''ھذا خلیفة الله المھدی'' اب سوچو کہ یہ حدیث کس پائے اور مرتبہ کی ہے جو اس کتاب میں درج ہے۔ جو اصح الکتب بعد از کتاب اللہ ہے۔ (شہادت القرآن ص ۴۱)

حالانکہ بخاری میں ایسی کوئی حدیث نہیں۔

مرزا صاحب کی جرأت اور حوصلہ

نبی کی صفت یہ ہوتی ہے کہ پیغام حق سنانے میں وہ کسی سے نہیں ڈرتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نمرود جیسے جابر بادشاہ کو للکارنا، حضرت موسیٰ کا فرعون کے دربار میں گرجتے ہوئے کلمۂ حق سنانا، اس حقیقت کے واضح شواہد ہیں۔ اس کے خلاف مرزا صاحب کی جرأت اور حوصلہ ملاحظہ فرمائیے۔

ڈاکٹر مارٹن کلارک نے اگست ۱۸۹۷ھ میں مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے خلاف عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا کہ وہ ایسے الہامات شائع کرتے ہیں جن سے لوگوں کی عزت پر حرف آتا ہے اور ان کی تذلیل ہوتی ہے۔ چنانچہ گورداس پور کے ایک عیسائی ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے انہیں حکم دیا کہ وہ ایسے الہامات شائع نہ کریں، لہٰذا انہوں نے عدالت کے روبرو اقرار کیا کہ میں مرزا غلام احمد قادیانی بحضور خداوند تعالیٰ اقرار صالح کرتا

ہوں کہ آئندہ میں ایسی پیشین گوئی شائع کرنے سے پرہیز کروں گا جس کے یہ معنی ہوں یا ایسے معنی خیال کئے جاسکیں کہ کسی شخص کو (یعنی مسلمان ہو خواہ ہندو ہو یا عیسائی وغیرہ) ذلت پہنچے گی یا وہ موردِ عتاب الٰہی ہوگا۔ (تریاق القلوب ص ۱۳۰)

غور فرمائیے! کیا نبی ایسا ہی ہوتا ہے کہ وہ ایک کافر حاکم کے خوف سے اپنے الہام اور وحی کا دروازہ بند کرلے۔ یاد رکھیے! نبی کی شان ہے: **فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ** (الحجر: ۹۴) یعنی جو آپ کو حکم دیا گیا ہے، اس کا پوری قوت سے اعلان کیجئے۔ جو شخص کفار کے خوف سے اپنی مزعوم وحی کو چھپاتا پھرے وہ نبی نہیں ہوسکتا۔

معاونت کفار

کفار کی معاونت کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے، اگرچہ نبی کا کفار کی معاونت کرنا امر محال ہے تاہم اللہ تعالیٰ نے بر سبیل فرض جگہ جگہ فرمایا ہے کہ اگر نبی نے کفار کی موافقت یا معاونت کی تو اس کا شمار بھی ظالموں میں سے ہوگا۔ چنانچہ ارشاد ہوا: **وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ** (البقرہ) لیکن مرزا صاحب نے انگریز کی تائید اور حمایت میں اس قدر کتابیں لکھی ہیں کہ خود ان کے قول کے مطابق ان سے پچاس الماریاں بھر سکتی ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

''انگریزی سلطنت تمہارے لئے ایک رحمت ہے، ایک برکت اور خدا کی طرف سے تمہاری وہ سپر ہے''۔ (تبلیغ رسالت ج ۱۰ ص ۱۲۳، ازالہ اوہام ص ۵۰۹)

نیز لکھتے ہیں:

''میں سولہ برس سے برابر اپنی تالیفات میں اس بات پر زور دے رہا ہوں کہ مسلمانانِ ہند پر اطاعت گورنمنٹ فرض ہے اور جہاد حرام ہے''۔

(اشتہار مورخہ ۱۰ دسمبر ۱۸۹۴ء)

یہ عبارات کسی تبصرہ کی محتاج نہیں ہیں۔ جس انداز سے یہ عبارات میں کفار کی چاپلوسی اور خوشامد کی گئی ہے نبی کا تو خیر ذکر ہی کیا کسی باغیرت مسلمان سے بھی اس کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

مرزا صاحب کی پیشین گوئیاں

انبیاء علیہم السلام نے جس قدر اپنی قوم کو پیشین گوئیاں بیان کیں وہ سب پوری ہوئیں اور دنیا پر ان کی نبوت کا صدق ظاہر ہو گیا۔ مرزا صاحب نے بھی پیشگوئی کے صدق کو نبوت کی دلیل مانا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

میں بار بار کہتا ہوں کہ نفس پیشگوئی داماد احمد بیگ (سلطان محمد کی موت) کی تقدیر مبرم ہے۔ اس کا انتظار کرو اور اگر میں جھوٹا ہوں تو یہ پیش گوئی پوری نہیں ہو گی اور میری موت آ جائے گی۔ (انجام آتھم ص ۳۱)

مرزا صاحب نے محمدی بیگم سے نکاح کی پیشگوئی کی، لیکن اس کا نکاح مرزا سلطان محمد سے ہو گیا۔ پھر مرزا صاحب نے پیشگوئی کی کہ مرزا سلطان محمد شادی کے اڑھائی سال بعد مر جائے گا اور محمدی بیگم ان کے نکاح میں آ جائے گی۔ لیکن مرزا صاحب فوت ہو گئے اور سلطان محمد ان کی موت کے بعد دیر تک بفضلہ تعالیٰ زندہ رہا۔

اسی طرح انہوں نے عیسائی پادری آتھم کی موت کے بارے میں پیش گوئی کی کہ وہ ۵ ستمبر ۱۸۹۴ء کے دن مر جائے گا۔ لیکن وہ زندہ رہا اور عیسائیوں نے بڑی شان و شوکت سے اس کا جلوس نکالا۔ چنانچہ مرزا صاحب کے ایک مرید نے مضمون میں لکھا:

میں نے امرتسر جا کر عبداللہ آتھم کو خود دیکھا، عیسائی اسے گاڑی میں بیٹھائے ہوئے بڑی دھوم دھام سے بازاروں میں لئے پھرتے تھے، لیکن اسے دیکھ کر میں سمجھ گیا کہ واقعہ میں یہ مر گیا ہے اور یہ صرف اس کا جنازہ ہے جسے لئے پھرتے ہیں، آج نہیں تو کل مر جائے گا۔ (مضمون رحیم بخش قادیانی مندرجہ الحکم ج ۲۵ ص ۳۴، مورخہ ۷ دسمبر ۱۹۲۳ء)

جو پیش گوئیاں پوری نہ ہو سکیں، ان کا سلسلہ بہت طویل ہے۔ اب ہم صرف ایک پیش گوئی نقل کرتے ہیں جو مرزا صاحب نے اپنی موت کے بارے میں کی ہے۔

لکھتے ہیں:

پس خدا مارا ھشتاد سال عمر داد یا شاید ازیں زیادہ۔ (مواہب الرحمان ص ۲۱)	اللہ تعالیٰ نے مجھے اسی سال کی عمر دی ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

اور پھر آخر میں اردو میں فرمایا کہ میں تیری عمر بڑھا دوں گا، یعنی دشمن جو کہتا ہے کہ صرف جولائی ۱۹۰۷ء میں ۱۴ مہینے تک تیری عمر کے دن رہ گئے ہیں یا ایسا ہی جو دوسرے دشمن پیشگوئی کرتے ہیں ان سب کو جھوٹا کروں گا اور تیری عمر کو بڑھا دوں گا۔

(اشتہار مؤلفہ مرزا صاحب بنام تبصرہ ۱۹۰۷ء)

پہلی بشارت کے بموجب مرزا صاحب کی عمر ۸۰ سال سے زیادہ ہونی چاہئے اور دوسری کے مطابق مرزا صاحب کو ستمبر ۱۹۰۸ء کے بعد تک زندہ رہنا چاہیے تھا، لیکن دونوں پیشگوئیاں غلط ثابت ہوئیں اور مرزا صاحب مئی ۱۹۰۸ء میں ۶۸ سال زندگی گزار کر راہی ملک عدم ہوئے۔

جن پیشگوئیوں کا یہاں ذکر کیا گیا ہے ان میں سے ہر ایک پیشین گوئی مرزا صاحب نے بڑے طمطراق سے پیش کی، لیکن وہ پیشگوئی پوری نہ ہوئی اور مرزا صاحب خود اپنے قول کے مطابق جھوٹے قرار پائے۔ ہم قادیانی حضرات سے درخواست کرتے ہیں کہ اگر آپ واقعی مرزا صاحب کو مانتے ہیں تو خدارا سوچئے اور سمجھئے اور مان لیجئے کہ ان کا دعویٰ نبوت جھوٹا تھا، انہوں نے جن پیشگوئیوں کے پورے نہ ہونے پر اپنے جھوٹ کو معلق کیا تھا، وہ پوری نہ ہوئیں اور مرزا صاحب کے دعویٰ نبوت کا جھوٹ اور بطلان آشکارا ہو گیا۔

مرزا صاحب کی موت

نبی کی موت قابل رشک ہوتی ہے، جس طرح نبی کی زندگی رحمت ہوتی ہے اسی طرح اس کی موت بھی رحمت ہوتی ہے۔ لیکن مرزا صاحب کی موت بڑی عبرتناک تھی اور مرزا صاحب کی اپنی تعبیر کے مطابق ان کی موت خدا کی سزا اور اس کے عذاب کی ایک بھیانک تصویر تھی۔

مرزا صاحب نے ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء میں مولانا ثناء اللہ امرتسری کے خلاف ایک اشتہار شائع کیا اور اس میں انہیں مخاطب کر کے لکھا: اگر میں ایسا کذاب اور مفتری ہوں جیسا کہ اکثر اوقات آپ اپنے ہر ایک پرچہ میں مجھے یاد کرتے ہیں، تو میں آپ کی زندگی

میں ہی ہلاک ہو جاؤں گا۔ اگر وہ سزا جو انسان کے ہاتھوں نہیں بلکہ محض خدا کے ہاتھوں سے ہے، جیسے طاعون، ہیضہ وغیرہ مہلک بیماریاں آپ پر میری زندگی میں وارد نہ ہوسکیں تو میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں۔ (اشتہار بنام تبصرہ ۱۹۰۷ء ملخصاً)

اسی اشتہار میں مرزا صاحب نے ہیضہ کو خدا کی سزا قرار دیا ہے۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری مرزا کی وفات کے بعد دیر تک (تقریباً چالیس سال) بخیر و عافیت زندہ رہے اور مرزا صاحب خود اسی ہیضہ کی بیماری میں مبتلا ہو کر فوت ہو گئے۔ چنانچہ مرزا صاحب کے خسر میر ناصر صاحب قادیانی مرزا صاحب کی سوانح میں لکھتے ہیں:

جب آپ کو بہت تکلیف ہوئی تو مجھے جگایا گیا تھا، جب میں حضرت مرزا صاحب کے پاس پہنچا تو آپ کا حال دیکھا تو آپ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا: میر صاحب! مجھے وبائی ہیضہ ہو گیا ہے۔ اس کے بعد آپ نے کوئی ایسی صاف بات میرے خیال میں نہیں فرمائی، یہاں تک کہ دوسرے روز دس بجے مرزا کا انتقال ہو گیا۔ (حیات ناصر ص ۱۴)

غور فرمایئے! مرزا صاحب نے اپنے اشتہاری اقرار میں تین باتیں کہیں تھیں:

(۱) ہیضہ میں مرنا خدا کی سزا ہے۔

(۲) اگر مرزا صاحب مولانا ثناء اللہ کی زندگی میں فوت ہو گئے تو وہ مفتری اور کذاب ہیں۔

(۳) اگر مولوی ثناء اللہ پر ان کی زندگی میں ہیضہ نہ آیا تو وہ خدا کی طرف سے نہیں۔

لیکن مرزا صاسب ہیضہ میں مبتلا ہو کر مولوی ثناء اللہ صاحب کی زندگی میں فوت ہو گئے اور مولانا ثناء اللہ پر ان کی زندگی میں ہیضہ نہ آیا۔ اب ہم قادیانی حضرات سے گزارش کرتے ہیں کہ آپ مرزا صاحب کو سچا سمجھتے ہیں یا جھوٹا، اگر جھوٹا سمجھتے ہیں تو جھوٹے شخص کی نبوت سے دستبردار ہو جائیں اور اگر سچا سمجھتے ہیں تو ان کی عمر کی آخری بات کو تو مان لیجئے کہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہیں۔ کیونکہ مولانا ثناء اللہ پر ان کی زندگی میں ہیضہ نہیں آیا اور یہ کہ وہ کذاب اور مفتری ہیں کیونکہ وہ خود مولانا ثناء اللہ کی زندگی میں فوت ہو گئے اور وہ یہ کہ وہ بصورت ہیضہ خدا کی سزا میں مبتلا ہو کر فوت ہوئے۔

قادیانیوں کو دعوت اسلام

کسی شخص کے مسلمان ہونے کے لئے جس قدر باتوں کو ماننا ضروری ہے، وہ سب امور قرآن کریم نے بیان کر دیئے ہیں۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی اور نبی کی بعثت بھی ہوتی تو قرآن میں اس کا بھی ذکر ہوتا اور جب قرآن کریم میں حضور کے بعد کسی نبی کی بعثت کا ذکر نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہو سکتا۔ آخر جن چیزوں کے ماننے سے صحابہ کرام اور خیر القرون کے اخیار مومن ہو گئے۔ ان چیزوں کا ماننا آج کیسے ناکافی ہو گیا۔ کیا ان کا اسلام اور تھا اور اب کوئی اور اسلام ہے۔ اگر ہم قرآن کو ناقص اور اسلام کو ناتمام دین نہیں مانتے تو ہمیں ماننا ہوگا کہ قرآن کریم نے جن چیزوں پر ایمان لانے کا حکم دیا ہے ان کے سوا کسی اور پر ایمان لانا جائز نہیں ہے اور مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی نبوت چونکہ قرآن کا مامور نہیں ہے۔ اس لئے ان کو نبی ماننا قرآن، ایمان اور اسلام سب کے مخالف ہے۔

یاد رکھیے! نبی غیر نبی سے افضل ہوتا ہے۔ اگر مرزا غلام احمد قادیانی نبی ہوتے تو صحابہ کرام سے افضل ہوتے، کیونکہ وہ نبی نہ تھے اور قرآن بتلاتا ہے کہ صحابہ کرام کے بعد آنے والے لوگ ان سے افضل تو کجا ان کے برابر بھی نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ فرمایا: لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَّنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ ۖ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً (الحدید: ۱۰) ''تم میں سے جن لوگوں نے فتح مکہ سے پہلے صدقہ دیا اور قتال کیا تم لوگ ان کے برابر نہیں ہو سکتے، ان کے درجات بہت بلند ہیں''۔

عموماً نبی کی اولاد نبی ہوتی ہے، اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صاحبزادگان زندہ رہتے تو وہ بھی نبی ہوتے۔ لیکن چونکہ آپ پر نبوت کو ختم کرنا تھا اس لئے انہیں زندگی نہیں دی گئی اور بچپن میں فوت کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی وفات پر صدمہ ہوا۔ کفار نے آپ کو لاولد اور ابتر کے طعنے دیئے اور اللہ تعالیٰ نے یہ ظاہر کر دیا کہ یہ سب کچھ برداشت کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ختم نبوت میں رخنہ گوارا نہیں ہو سکتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد اور آپ سے براہ راست فیض لینے والے صحابہ جب نبی نہیں

ہو سکتے تو وہ شخص کیسے نبی ہو سکتا ہے جو آپ سے چودہ سو سال دور کی نسبت رکھتا ہے، جس کے نہ ایمان کی ضمانت ہے نہ اخلاق کی گارنٹی۔ اگر قادیانی حضرات نے واقعی ایک نئی اور الگ ملت کی طرح نہیں ڈالی ہے تو انہیں چاہیے کہ وہ اسی دین اور ملت کی طرف لوٹ جائیں جسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لے کر آئے ہیں۔ جس دین میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اور کسی نبی کی بعثت کا تصور نہیں ہے۔ ایک ایسے شخص کی خاطر جس کا کلام متناقض اور متضاد، جس کی ہر پیش گوئی غلط اور جھوٹی، جس کی زندگی کفار کی چاپلوسی، بزدلی اور جھوٹ کا مرقع ہے اور جس کی موت عذاب الٰہی کی بھیانک صورت ہے اور اس نبی کو نہ چھوڑیں جس کی باتیں جوامع الکلم اور پیش گوئی حق و صداقت، جس کی زندگی افتخار رسل اور جس کا وصال اللہ کے اشتیاق سے عبارت ہے۔

ہم انتہائی درد کے ساتھ قادیانی حضرات سے گزارش کرتے ہیں کہ ایمان ایک قیمتی دولت ہے۔ اس دولت کو اس شخص پر لٹا کر ضائع نہ کریں جس کی نبوت تو کجا ایمان بھی ثابت نہیں ہے۔ آؤ! جعلی اور وضعی نبوت کو چھوڑ کر صرف اس کی نبوت پر قناعت کر لو جس کی نبوت ہر قسم کے شک و شبہ سے بالا، دلائل سے مبرہن اور آئندہ بعثت کے ختم ہونے کی علامت ہے۔ وہ نبی جو کوثر کا مالک، لواء حمد کا حامل اور انبیاء کا خاتم ہے اسے چھوڑ کر کسی کذاب، مفتری اور کفر رسیدہ شخص کو نبی مان لینا ہرگز نجات کا راستہ نہیں ہے۔ پس اے راہ نوردان شوق! اگر تم واقعی حق کی تلاش رکھتے ہو تو آؤ اور قادیان کو چھوڑ کر طیبہ کی طرف لوٹ آؤ۔

